ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

عبداللہ حسین کے ناول ''قید'' کا اسلوبی مطالعہ

تفضل حسین: ریسرچ سکالر، رفاہ انٹرنیشنل یونیورسٹی، فیصل آباد کیمپس
مبشر سلامت: لیکچرار، انفار میٹکس کالج، جڑانوالہ برانچ

Abstract:
In Literature ''style'' encompasses the way an author's personality is reflected through meaning, manner, writing techniques, and expression. In Urdu, it is termed as "اسلوب" or "انداز." Each person develops a distinct writing style influenced by their personality, experiences, and emotions. The interconnection of style and language is crucial, with spoken, scientific, and literary languages serving distinct purposes. Artists and writers inherently possess talents in expression and imagination. Style plays a pivotal role in storytelling, setting artists apart. Analyzing an artist's style is essential to recognize their uniqueness and assess literary value in a specific genre. Style goes beyond mere writing form; it involves a blend of essence, form, and meaningful thoughts. This article explores the stylistic examination of Abdullah Hussain's novel "قید" (Qaid), exploring its unique aspects and fundamental elements.

Key Words: Literarature, Style, Personality, Expression, Unique ،Comprehensiveness

کلیدی الفاظ: ادب، اسلوب، شخصیت، اظہار، منفرد، جامعیت

ادب میں اسلوب کے معنی ڈھنگ، وضع، انداز، تحریر روش، تحریر کا ایسا انداز جس میں شخصیت کا عکس نظر آتا ہو۔ اسلوب میں مصنف کی ذات، اس کے تجربات ،افکار و خیالات اور تجربے کار فرما ہوتے ہیں لیکن انداز اور لفظیات الگ الگ ہوتے ہیں۔ اردو میں اسلوب کو انداز بھی کہتے ہیں۔ ہر انسان کا اپنا انداز تحریر ہوتا ہے، اسلوب ایک انسان ہے کیونکہ مصنف کی شخصیت تمام نشیب و فراز سے الفاظ کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ مصنف اپنے مزاج کے مطابق موضوع کا انتخاب کرے گا۔ ہر موضوع اپنا اسلوب بیان خود پیدا کرتا ہے۔ اسلوب کا تعلق زبان سے ہوتا ہے۔ زبان کی تین قسمیں ہوتی ہیں۔ پہلی قسم بول چال، دوسری قسم علوم کی زبان یا سائنس اور تیسری قسم ادبی زبان ہے۔ کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں قدرتی طور پر بات کرنے کا سلیقہ اور طریقہ موجود ہوتا ہے فنکار میں فطری صلاحیتیں، معنی و بیان کا لحاظ، الفاظ کے استعمال میں دلآویزی اور خیال میں ندرت ہی تحریر کو نمایاں کرتی ہے۔

کہانی کے اجزائے ترکیبی میں اسلوب ایک اہم جزو ہے۔ ہر فنکار کا ایک اسلوب ہوتا ہے جو اسے دوسرے فنکاروں سے الگ کرتا ہے۔ کسی فنکار کی انفرادیت کو پہچاننے پرکھنے یا پتہ لگانے کے لیے کہ اس میں انفرادیت ہے بھی یا نہیں، اس کے اسلوب کا جائزہ لیا جاتا ہے اور کسی فن پارہ کی قدر و قیمت متعین کرنے کے لیے اس کے اسلوب کا حوالہ دینا ضروری ہے۔ اسلوب محض موضوع کی زیب و زینت نہیں بلکہ ایک وسیلہ ہے جو موضوع یا مضمون کو فن میں تبدیل کرتا ہے۔ اسی لیے ایک فنکار کے لیے طریقہ اظہار سے واقف ہونا اور اظہار کے مختلف پیرائیوں پر عبور حاصل کرنا ضروری ہے۔ یہ فنی صلاحیت ہوتی ہے جو کہیں تو خداداد ہوتی ہے اور کہیں اکتساب کے ذریعے پیدا کی جاتی ہے۔ دونوں صورتوں میں فنکار کے لیے مطالعہ، مشاہدہ اور تجربہ تینوں بہت ضروری ہیں۔

اسلوب کو محض طرز تحریر، انداز نگارش، طرز بیان کے معنوں میں ہی استعمال کرنا درست نہیں بلکہ اسلوب دراصل ہیت و صورت اور فکر و معنی کے امتزاج سے جنم لیتا ہے۔ موثر اظہار پیرایہ اور موزوں اسلوب نگارش ناول کا بہت اہم جز ہوتا ہے۔

بیسویں صدی کے ناول نگاروں میں ایک معتبر نام عبداللہ حسین کا ہے۔ آپ ۱۴ اگست ۱۹۳۱ء راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۵۲ء میں بی ایس سی کے بعد ضلع جہلم میں ایک سیمنٹ فیکٹری میں ملازمت کرنے لگ پڑے۔ پھر ۱۹۵۶ء میں میپل لیف سیمنٹ فیکٹری داد و خیل میں بطور کیمسٹ ملازمت کی پھر کولمبو پلان فیلو شپ کے ذریعے سیمنٹ ٹیکنالوجی سپیشلائزیشن کے لیے کینیڈا چلے گئے۔ ۱۹۷۵ء میں ڈیڑھ سال بعد واپس آئے اور ہمہ وقتی مصنف بننے کی ٹھان لی۔ زندگی کے کئی برس پاکستان سے باہر بھی گزارے جسے وہ خود ساختہ جلاوطنی بھی کہتے ہیں۔ عبداللہ حسین نے اپنے ادبی سفر کا آغاز ۱۹۵۶ء میں ''اداس نسلیں'' لکھنے سے کیا۔ ناول نگاری میں ان کا ایک منفرد مقام ہے۔ ''اداس نسلیں'' کے علاوہ ان کے درج ذیل ناول اردو ادب میں اپنی شناخت پیدا کر چکے ہیں:۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

1۔ اداس نسلیں"(۱۹۶۳ءاشاعت اول) 2۔ "باگھ" (۱۹۸۲ءاشاعت اول)

3۔ "قید"(۱۹۸۹ءاشاعت اول) 4۔ "نادار لوگ"(۱۹۹۶ءاشاعت اول)

اس آرٹیکل میں عبداللہ حسین کے ناول "قید" کا اسلوبی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔اس ضمن میں اسلوب کی خصوصیات اور بنیادی اسلوبی اجزاء کو مدِ نظر رکھتے ہوئے تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

اسلوب کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت منظر نگاری ہے۔منظر نگاری کی ناول میں بہت اہمیت ہے۔عبداللہ حسین نے اپنے ناول "قید" میں جس طرح کی منظر نگاری کی ہے وہ قابل تحسین ہے۔خوبصورت منظر نگاری ناول کے کرداروں، ناول کی فضااور کہانی کے ارتقاء کے لیے سازگار ہوتی ہے۔مختلف مناظر اس ماحول کی نمائندگی کرتے ہیں جس میں کردار روبہ عمل دکھائی دیتے ہیں۔منظر نگاری خوبصورت ہو تو وہ ناول کی کامیابی کی ضمانت ہوتی ہے۔اچھی منظر نگاری مصنف کی قوت مشاہدہ و قوت زبان پر دلالت کرتی ہے۔عبداللہ حسین کی منظر نگاری دوسروں سے منفرد ہوتی ہے کیونکہ وہ ماحول کی مناسبت سے منظر نگاری کرتے ہیں۔اسی لیے ان کے ناول "قید" کو شہرت ملی:

> "گھر کے وسیع صحن میں دو مچھر دانیاں لگی تھیں۔یہ موٹے موٹے روغنی پایوں والے نواڑی پلنگ تھے۔جن پر بچہ اور اس کی ماں سفید جالی کے پردوں میں محفوظ ہوئے پڑے تھے۔ان سے ذرا ہٹ کر مزید تین چارپائیاں بچھی تھیں۔یہ موٹے بان کی ننگی چارپائیاں تھیں۔جن پر گھر کا کام کاج کرنے والی لڑکیاں گرمی اور محنت سے بے دم ہو کر بیہوشی کی نیند سو رہی تھیں۔"(۱)

عبداللہ حسین نے ناول "قید" میں تصویر کشی کے عمدہ اور فطری نمونے پیش کیے ہیں۔انھوں نے منظر نگاری کرتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھا کہ جیسا منظر ہو اس کے مطابق الفاظ کا چناؤ کیا جائے تاکہ اثر کا طلسم ناول کے قاری پر کار گر ہو۔ناول "قید" میں مصنف کو منظر نگاری کے کئی مواقع ملے۔انھوں نے اپنی منفرد تکنیک کا استعمال کیا:

> "مجھے اس کی درانتی گڑوی کے پاس پڑی دکھائی دی۔میں نے اس وقت وہی اٹھائی مڑ کر دیکھا تو وہ ننگے بدن اپنی مردانگی کا پھل اٹھاتے دوڑتا ہوا میرے سر پر پہنچ چکا تھا۔اس وقت وہ مجھے ایک پتلے دبلے نوجوان کی بجائے ایک ایسے ہاتھی کے مانند دکھائی دیا جو سونڈ اٹھائے چڑھا آرہا ہو۔اس نے جو آخری چھلانگ لگا کر مجھے دبوچ لینا چاہا تو میں نے درانتی کا دندانے دار پھل اس کی ٹانگوں کے بیچ چڑھا دیا۔پھر دونوں ہاتھوں سے دستے کو پکڑ کر جو اسے اوپر کھینچا تو آدھے پیٹ تک چیرتا ہوا چلا گیا۔خون کا فوارہ چھوٹ پڑا اور اس کا عضو کٹ کر ایک نس سے لٹکنے لگا۔"(۲)

اسلوب کی خوبی منظر نگاری الفاظ کو محاکاتی آہنگ دیتی ہے۔مصنف جب کسی حادثے، منظر، واقعے، موسم یا وقت کا ذکر کرتا ہے تو قاری پر وہی کیفیت طاری ہو جاتی ہے جو اس منظر کو ادیب حقیقت میں محسوس کرتا ہے۔ عبداللہ حسین نے کرامت علی، فیروز شاہ اور رضیہ سلطانہ کے ذریعے وہ منظر نامہ پیش کیا ہے جو کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ہم دیکھتے ہیں۔طلباء سیاست میں حصہ لیتے ہیں۔فیروز شاہ کی محبت میں رضیہ سلطانہ بہت دور تک چلی جاتی ہے لیکن کرامت علی۔۔۔جب بھی رضیہ سلطانہ کے سامنے آتا ہے تو اس کے روبرو رضیہ سلطانہ کی وہی شکل وصورت رہی جو دنیا کے سامنے آئی۔عبداللہ حسین کے بقول:

> "سیاہ ہلکے رنگ کے نقاب سے آدھا پونا جسم اور ناک کی ہڈی تک کا آدھا چہرہ ڈھکا ہوا سر کے بال نقاب کے سکارف تلے آدھے ماتھے تک بندھے ہوئے اس طرح کہ صرف اس کی آنکھیں اور ابرو، گالوں کی ہڈیوں تک رخسار اور لمبی لمبی انگلیوں والے ہاتھ ہی نظر آتے اور یہاں پر اس کی عریانی کی حد تک ختم ہو جاتی۔جیسے کہے رہی ہو کہ بس اس سے آگے کسی کا حق نہیں بنتا۔۔۔اس سے آگے ایک اسرار جہاں شروع ہوتا تھا۔جس کی پوشیدگی ابھی تک (گو اب وہ رضیہ کا پیچھا کرنا ترک کر چکا تھا) بے پناہ کشش کی حامل تھی۔"(۳)

عبداللہ حسین نے اپنے ناول "قید" میں پیر کرامت علی شاہ کے بیٹے سلامت علی کے بارے میں بتایا ہے کہ اس کی عمر نو سال ہے۔کرامت علی شاہ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا سلامت علی اپنے باپ کی جگہ جانشین بنتا ہے۔ایک دن شدید گرمی میں مائی سروری ننگے بدن نہا رہی ہوتی ہے کہ اس دوران نو سالہ بچہ سلامت علی چارپائی کے نیچے لیٹ کر مائی سروری کے ننگے بدن کو دیکھتا ہے۔مصنف نے اس منظر کی عکاسی یوں کی ہے:

> "کوٹھے کی دیوار کے جھرنوں سے آنکھ لگا کر جو نیچے اس نے جھانکا تو ایک ایسا منظر دیکھائی دیا جو بچہ گویا مسحور ہو کر دیکھتا ہی رہ گیا۔اس نے دیکھا کہ ایک عورت ننگے بدن چارپائی کی پائنتیوں پہ سر نیہوڑائے بیٹھی ہے۔۔۔ان کے اوپر اوپر ڈھیلی سی کھال گیلی چادر کی مانند لٹک رہی تھی اور اماں کے صابن ملتے ہوئے ہاتھوں کے اندر چھاتیوں کی سکڑی ہوئی خالی تھیلیاں تھلک تھلک

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

کر رہی تھیں۔ جھرتے سے آنکھ لگائے بچہ ایک ایسے سحر کے اندر مبتلا ہو جاتا ہے۔ جس کے زیر اثر جائے رفتن نہ پائے ماندن کی کیفیت اس پر طاری ہو جاتی ہے۔ وہ اس وقت تک بے حرکت وہاں پہ بیٹھا رہا۔ جب تک کہ گدڑی کا خاتمہ چارپائی پہ دوبارہ استوار نہ ہو گیا۔"(۴)

کہانی میں انسانی زندگی سے متعلق جو واقعات بیان کیے جاتے ہیں ان کی فنی ترتیب کو پلاٹ کہتے ہیں۔ اس فنی ترتیب میں کہانی کے آغاز میں وسط اور انجام کے درمیان منطقی ربط و تسلسل حامل ہوتا ہے۔ ترتیب واقعات کے لحاظ سے پلاٹ کی کئی اقسام ہیں۔ بعض ناولوں کے پلاٹ غیر منظم ہوتے ہیں۔ ایسے پلاٹ میں کئی واقعات مجموعی طور پر پیش کیے جاتے ہیں، جن میں ایک مرکزی شخص محور کا کام دیتا ہے۔ ایسے ناولوں میں اکثر قاری کو واقعات کا بیان بے ترتیب دکھائی دیتا ہے لیکن یہ ایک فنی بے ترتیبی ہوتی ہے۔ فنکار بہت غور وفکر اور محنت کے بعد واقعات میں یہ بے ساختگی پیدا کرتا ہے۔ جو ہر کس وناکس کے بس کی بات نہیں۔

عبداللہ حسین نے اپنے ناول "قید" کا پلاٹ ایک حقیقت پر مبنی واقعے سے لیا ہے۔ اس ناول کے موضوع میں ایک طرف پاکستان میں موجود روایتی پیری فقیری اور خانقاہی نظام کے بارے میں ہے تو دوسری طرف رضیہ سلطانہ عرف رجو کے انتقام لینے کی تمام کہانی ہے۔ رضیہ سلطانہ کے ناجائز بچے کو اس دنیا میں آئے ابھی چند گھنٹے ہی ہوتے ہیں تو امام مسجد اس بچے کو لوگوں سے قتل کروا دیتا ہے۔ اس دور میں ایک فوجی آمر کے حکم پر شرعی احکامات پر عمل کروایا جا رہا تھا لیکن امیر لوگوں کو فائدہ دیا جا رہا تھا۔ اس لحاظ سے ان کا اصل ہدف غریب طبقہ تھا۔ ناول "قید" کا پلاٹ حقیقت پر مبنی واقعے سے لیا گیا ہے۔ یہ واقعہ کراچی میں پیش آیا۔ ڈاکٹر خالد اشرف کے بقول:

"قید" پاکستان میں ہوئے ایک سچے واقعے پر مبنی ہے۔ جب عہد ضیاء الحق میں ایک نوزائیدہ ناجائز بچے کو ایک گاؤں کے نمازیوں نے سنگسار کر کے ختم کر دیا تھا۔"(۵)

عبداللہ حسین کے ناول "قید" میں ان کے اسلوب کی ایک خوبی یہ تھی کہ وہ پلاٹنگ کی جدید تکنیکوں سے بخوبی واقف تھے۔ جب انھوں نے یہ ناول لکھا تو اس وقت پاکستان میں ایک فوجی آمر نے حکومت سنبھالی ہوئی تھی۔ فوجی افسروں نے اس وقت موسیقی، شراب اور رنگ و بو کی محفلیں ترک کر دیں اور نمازیں پڑھنے کا باقاعدہ آغاز کر دیا تھا لیکن اسی دور میں پیری فقیری بھی زیادہ زور پکڑ گئی۔ پاکستان کے صدر خود بھی پیر پرست تھے۔ اس کی وجہ سے ان کے ماتحتوں نے بھی یہی راستہ اختیار کیا اور پیری فقیری کو دین و دنیا کے لیے بہتر سمجھا۔ مذہب کی آڑ میں لوگ پیری فقیری کا استعمال زیادہ کرنے لگ گئے تھے۔ افضال احمد بٹ کے بقول:

"فوجی افسران اسلام اور توحید کے نام پر قوم کو متحد رکھنے کی کوشش کرنے لگے فوجی جرنیلوں نے نمازیں پڑھنا شروع کر دیں کچھ تبلیغی جماعتوں کے ساتھ منسلک ہو گئے صدر مملکت خود پیر پرست تھے اس لیے فوج کے سینئر افسروں نے بھی اسی رستے پر چلنا اپنی بھلائی سمجھا۔"(۶)

ناول "قید" کا پلاٹ نہایت منظم و مربوط اور نہایت مناسب ہے۔ سب واقعات موقع محل کے مطابق ہیں۔ کہانی کا آغاز، متن اور انجام میں بے حد توازن دکھائی دیتا ہے۔ اصل میں قصے کو ترتیب دینے کا نام پلاٹ ہے۔ عبداللہ حسین نے اپنے ناول "قید" کے واقعات کو ایسے ترتیب دیا ہے کہ جیسے موتی لڑی میں پروئے ہوئے ہیں۔ ایک واقعہ دوسرے واقعے سے پیوست دکھائی دیتا ہے۔ اگر واقعات باہم مربوط نہ ہوں تو وہ ایک ڈھیلا ڈھالا پلاٹ کہلاتا ہے۔ "قید" کے ناول کا پلاٹ گٹھا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

ناول کے آغاز سے ہی تحریر کی فضا قاری کے ذہن کو مسحور کر لیتی ہے۔ واقعات اور کرداروں کے آپس میں تعامل سے کہانی آگے بڑھتی ہے۔ کئی مواقع ایسے آتے ہیں کہ قصے میں منطقی ربط مفقود ہونے کے باوجود ناول "قید" کا پلاٹ بہت منظم اور مربوط دکھائی دیتا ہے۔ عبداللہ حسین نے کہانی کے پلاٹ کا زمانہ ۱۹۸۸ء اور آزادی کے بعد ابتدائی سالوں پر محیط بتایا ہے لیکن اس ناول میں آزادی کی تحریک، اس دور کے سیاسی و سماجی حالات کا کوئی منظر دکھائی نہیں دیتا۔ کالج کی سیاست میں حصہ لے کر تقریریں کرنا۔ یہ سرگرمیاں تو عام حالات میں معمول تھا کئی جگہوں پر کرداروں کے واقعات میں زمانی اعتبار سے بھی تردد دکھائی دیتا ہے۔ اس حوالے سے مسرت بانو لکھتی ہیں:

"کرامت علی کے ولایت اختیار کرنے اور پیر بننے سے وفات تک کا عرصہ ناول میں کم و بیش اٹھارہ سال تک محیط دکھایا گیا ہے اور یہ زمانہ قیام پاکستان کے بعد کا ہے۔ اسی طرح زمانی اعتبار سے دیکھا جائے تو ۱۹۹۵ اور ۱۹۹۶ء کے درمیان ہونی چاہیے۔ اب یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ پاکستان میں جس جرنیل نے اسلام کے نام پر "دینی احیاء" کی خدمت کی وہ ۱۹۷۷ء میں اقتدار پر قابض ہوا تھا۔۔۔ یوں عبداللہ حسین کم و بیش دس سال پہلے "اسلام پسند جرنیل" کو بھی کہانی میں گھسیٹ دیا ہے جو زمانی اعتبار سے درست نہیں اور اسی ناول کا فنی حسن مجروح ہوا ہے۔"(۷)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

عبداللہ حسین کا یہ ناول پلاٹ کے لحاظ سے اعلیٰ درجے کا ہے۔انھوں نے ایک مربوط پلاٹ سے کہانی کو آگے بڑھایا۔کہانی میں پلاٹ کا کسی قسم کا فکری خلاد کھائی نہیں دیتا۔اس ناول کے تمام کردار پلاٹ کو منظم صورت میں یکجا دکھائی دیتے ہیں۔ناول میں پلاٹ کو اہم ترین جزو تسلیم کیا گیا ہے۔ناول نگار اپنے ناول میں واقعات کو اس انداز سے مربوط کرتا ہے کہ جیسے کڑی سے کڑی ملا کر زنجیر بنادی جاتی ہے۔واقعات کے خوب صورت تسلسل کو ہم پلاٹ کا نام دیں گے۔غیر مربوط عبارت سے واقعات کا تسلسل ٹوٹ جاتا ہے۔جس سے مصنف کی پوری بات کی سمجھ نہیں آتی اور قاری کا ذہن منتشر ہونے کی وجہ سے تحریر میں چاشنی ختم ہو جاتی ہے اور قاری بوریت کا شکار ہو جاتا ہے، جس مقصد کے لیے ناول لکھا ہوتا ہے اس مقصد کا اصول ناممکن دکھائی دیتا ہے۔عبداللہ حسین نے واقعات کو اس انداز سے مربوط کیا ہے کہ قاری ان کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔جس سے تحریر کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔

عبداللہ حسین کو پلاٹ کے ذریعے ہی اس بات کا علم ہوتا ہے کہ اس نے کہانی کا آغاز کیسے کرنا ہے۔کس جگہ اتار چڑھاؤ لانا ہے اور کس جگہ کہانی کو دلچسپ بنانا ہے۔اس کے بعد کہانی کا اختتام کیسے کرنا ہے پلاٹ کو کہانی کا مظہر ہونا چاہیے۔

عبداللہ حسین اپنے ناول ''قید'' میں جذبات نگاری سے خوب کام لیتے ہیں۔مائی سروری اور نسرین کے بارے میں بتاتے ہیں کہ وہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اپنے جذبات کو دبا دیتی ہیں۔معاشرے کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کو ترجیح دیتی ہیں لیکن رضیہ سلطانہ کے جذبات ان سے بہت مختلف ہیں۔رضیہ سلطانہ عورت کو مرد کے برابر دیکھنا چاہتی ہے۔

رضیہ سلطانہ کا گھرانہ درمیانے درجے کا ہے۔اس کے باوجود وہ معاشرے میں عورت پر پابندیوں کے خلاف اپنی آواز بلند کرتی ہے۔وہ معاشرے میں عورت پر کیے جانے والے مظالم کے خلاف اعلان بغاوت کرتی ہے۔وہ عورت کے جذبات کی ترجمانی کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔رضیہ سلطانہ یہ شکوہ بھی کرتی ہے کہ مرد علم و دانش اور سائنسی خیالات سے بخوبی واقف ہے لیکن عورت کو لکیر کا فقیر بنا دیا گیا ہے۔وہ مزید کہتی ہے کہ عورت کو اس کا مقام ملنا چاہیے۔رضیہ سلطانہ نے اپنے بیٹے کے تینوں قاتلوں کو مار کر اپنے جذبات کا کتھارسس کر لیا ہے۔اس سے اس کے اندر کی گھٹن ختم ہو چکی تھی۔

رضیہ سلطانہ کے جذبات کو عبداللہ حسین نے کمال مہارت سے تحریر کیا۔مصنف عورت کی نفسیات اور اس کے جذبات سے بخوبی واقف تھے۔رضیہ سلطانہ انا پرست تھی۔وہ فیروز شاہ سے بہت محبت کرتی ہے لیکن اس کو یہ بھی معلوم ہے کہ عورت کو مرد کے برابر اہمیت نہیں دی جاتی۔جب اس سے کرامت علی نے پوچھا کہ اس نے فیروز شاہ سے محبت کرنے کے باوجود شادی نہیں کی۔اس کی کیا وجہ ہے؟ تو وہ بتاتی ہے:

> ''کیوں کرتی؟ وہ پھٹ سے بولی ساری دنیا کا درد دل لیے پھرتا تھا۔جب میرے پاس آتا تو دو منٹ میں لڑھک جاتا اور منہ پرے کر کے خراٹے لینے لگتا تھا جیسے میں کوئی حیوان ہوں، یا کوئی پتھر کی سیل ہوں جس پہ رگڑ کر چٹنی بنائی، کھائی اور پرے کھڑی کر دی میں آدم زاد ہوں، حیوان نہیں۔''(۸)

عبداللہ حسین کو داد دینی چاہیے جو رضیہ سلطانہ کے جذبات کو بڑی مہارت سے ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں۔مصنف نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ عورت اپنے اوپر ظلم و ستم برداشت نہیں کر سکتی۔سلامت علی کے والد کے انتقال کے بعد سلامت علی گدی نشین بنا۔اس کے لیے باقاعدہ ایک رسم رکھی گئی۔یہ رسم اس کے والد کے چالیسویں کے ختم پر رکھی گئی۔اس موقع پر ملک کے نامور قوالوں کو بھی مدعو کیا گیا۔ساری رات محفل سماع ہوئی۔اس محفل کے اختتام پر مصنف نے سامعین کے جذبات کی ترجمانی یوں کی ہے:

> ''جب قوالی ختم ہوئی تو جذبات کے اس طویل اتار چڑھاؤ کی بدولت سامعین کے دل اور دماغ خالی ہو چکے تھے۔ان کے دل بغض اور کدورت سے پاک اور بدن آلائشوں سے دھل چکے ہوتے اور وہ اس دنیا کی قید اور اس کی مشقت سے بے خبر ہو کر آنے والی دنیا کے پر لطف تصور میں رچے ہوئے گھروں کو لوٹتے۔''(۹)

کرامت علی جو اب سائیں کرامت علی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔اپنے مریدوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کو دیکھ کر بہت خوش ہوتا ہے کیونکہ پہلے کی نسبت اب نذر و نیاز میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔اب وہ مسجد کی بجائے چار کنال کے رقبے پر محیط ڈیرے پر اپنا زیادہ تر وقت گزارتا ہے۔اس نے اپنے ڈیرے پر سبز رنگ کا ایک جھنڈا بھی لگا لیا ہے۔لوگ اولاد کے حصول کے لیے بڑی دور سے سائیں کرامت علی کے پاس آتے ہیں۔کرامت علی کی برادری کا ایک شخص رحمت علی اس کے پاس اولاد کے حصول کے لیے آتا ہے۔لیکن کرامت علی اسے ٹال دیتا ہے۔تعویز گنڈا اور پھونک مار کر گھر بھیجنے کی کوشش کرتا ہے۔سائیں کرامت علی کی اس وقت ذہنی کیفیت ملاحظہ ہو:

> ''اس کے کنی کترانے کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس میں کامیابی کے امکانات بہت کم تھے۔دوسرا یہ کہ دین سے دور ہونے کے باوجود کرامت علی شاہ کے دل میں خوف خدا کی رمق باقی تھی اور اس کے خیال میں پیدائش اور موت دو چیزیں ایسی تھیں جو

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

صرف اللہ کے ہاتھ میں تھیں۔اس کے دل میں وہم تھا کہ اگر اس نے دو معاملوں میں دخل اندازی کی تو اس کے ہاتھ سے باقی چیزوں کی قدرت بھی چھن جائے گی۔"(۱۰)

شدت جذبات ترفع کا فطری ماخذ ہے۔ترفع تک رسائی جذبات کے ذریعے ہی ممکن ہے۔در حقیقت جذبے کی شدت اور خیال کی عظمت فن پارے کے لیے لازمی ہے۔اگر فن کار عظمت خیال کا حامل ہو گا تو وہ انھی جذبات کو بیان کرے گا جو وہ محسوس کرتا ہے اور جن کو اہمیت دیتا ہے اس کے علاوہ وہ فن کے تخلیقی جوہر میں تاثیر پیدا نہیں کر سکتا اور نہ ہی مقام ترفع حاصل کر سکے گا۔فن پارے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ قاری کو وجدانی کیفیت سے آشنا کروایا جائے اور شدت جذبات کے ذریعے فن کار اس قابل ہو جاتا ہے کہ فن میں تاثیر پیدا کرے۔

عبداللہ حسین نے قاری کو وجدانی کیفیت سے آشنا کرایا ہے۔ان کی تحریروں کو پڑھ کر قاری کے دل و دماغ اور جذبات متحرک ہو جاتے ہیں،وہ جذبات جو ہماری روح سے قریب تر ہوتے ہیں۔اس لیے وہ کلام سے پہلے اپنا اثر دکھا دیتے ہیں۔اس کی وجہ سے ان کا آپس میں فطری تعلق ہوتا ہے۔

عبداللہ حسین کے نثر میں ایک بات بہت واضح ہے کہ وہ جذبات کی رو اور روانی میں بھی اپنے ادبی وزن اور وقار کو بہنے نہیں دیتے۔ان کے جذبات زیادہ تیز نہ تھے۔ عبداللہ حسین نے اپنے ناول "قید" میں خیال کی رنگینی و نزاکت کے ساتھ جذبے کی متانت و عفت کو جس طرح متوازن رکھا ہے،کوئی اور ایسا نہ کر سکا۔

عبداللہ حسین نے اپنے ناول "قید" میں ایجاز و اختصار سے کام لیا ہے۔یہ ناول مختصر ہے لیکن اس میں مصنف نے کرداروں کو جاذب نظر بنا دیا ہے۔یہ ناول نگار کے فن کی پختگی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔سلامت علی،ان کی اپنی محبوبہ نسرین، سائیں نانگا احمد شاہ،تین نمازی اور مائی سروری کے کرداروں کو ایجاز و اختصار سے پیش کیا ہے۔ ناول "قید" میں عبداللہ حسین نے ایجاز و اختصار کی خوبی کو مد نظر رکھا۔عبداللہ حسین نے ناول "قید" میں ایجاز و اختصار کا خوب استعمال کیا۔ناول "قید" بہت مختصر ہے۔کرامت علی کے چہلم کے موقع پر سلامت علی بہت سے انتظامات کرتا ہے اور لوگوں کو دکھانا چاہتا ہے کہ اب میں گدی نشین ہوں تاکہ لوگ میری پیروی کریں۔اس وقت کے قوال صاحبزادہ صاحب کے حکم کی تعمیل کو لازمی قرار دیتے تھے۔بقول عبداللہ حسین:

"چھوٹی قناتوں کے کمرے سے باہر بڑی قناتوں اور وسیع تنبوؤں کے حلقے میں عام لوگوں کے بیٹھنے کی جگہ پر دریاں بچھی تھیں۔"(۱۱)

مصنف نے ناول "قید" میں ایجاز و اختصار کا استعمال کرتے ہوئے سائیں نانگا کی بارے میں بتاتے ہیں کہ وہ ایک بات پر اسرار تھی کہ وہ گاؤں کے بچوں کے ساتھ بڑے پیار اور نرمی سے پیش آتا۔عبداللہ حسین کے بقول:

"اس نے آج تک کسی بچے کے ساتھ برہمی نہ دکھائی تھی۔کوئی بھی بچہ اس کے روبرو آجائے،سائیں کی زبان میں گنگ پڑ جاتا۔"(۱۲)

"قید" نہایت مختصر ناول ہے لیکن عبداللہ حسین نے اس کے اسلوب پر خاص توجہ دی۔سلامت علی بی اے کا امتحان دے کر واپس اپنے گاوں کچا کھوہ آتا ہے۔پھر اپنے ڈیرے پر جا کر اپنے بچپن کو یاد کرتا ہے۔وہاں کرامت علی کے سامنے ایک برہنہ عورت پڑی ہے۔سلامت نسرین کو اس حالت میں دیکھتا ہے تو نسرین پریشان ہو جاتی ہے۔وہ لڑکھڑاتی آواز میں کہتی ہے کہ شاہ جی استخارہ کر رہے ہیں۔یہاں مصنف نے کرامت علی شاہ کی حالت کو یوں بیان کیا ہے:

"گو ان کی چادر صرف سر اور ایک کندھے سے اتری تھی مگر سلامت علی کو محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ یکسر برہنہ ہو گئے ہوں جیسے ان کے تیور کی سنجیدگی اور شخصیت کا تمام تر تقدس ایک فالتو کھال کی مانند اتر کر گر پڑا۔"(۱۳)

عبداللہ حسین نے ناول "قید" میں سوال و جواب کی صورت میں مختصر مگر جامع اور مؤثر گفتگو کرتے دکھائی دیتے ہیں۔مصنف نے ایجاز و اختصار کا دامن نہیں چھوڑا۔ مصنف نے ناول "قید" میں طویل جملوں کی بجائے مختصر گفتگو سے کام لیا ہے۔جب جیل کے سپرنٹنڈنٹ نے کرامت سے چند سوالات کے جوابات پوچھے تو مصنف نے ان کو یوں بیان کیا ہے:

"یہ رکھوال کا مولوی ہے؟

"جی ہاں"

مقتول بھی سارے رکھوال کے تھے نا؟

"جی سارے رکھوال کے تھے"

"اب اس مولوی کو اس وقت کہاں سے ڈھونڈیں"

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

''بدبخت نے آخری وقت بھی آرام خراب کیا۔''(۱۴)

مصنف نے چھوٹے چھوٹے مگر بلیغ اور معنی خیز جملے استعمال کیے ہیں۔ان کی ہاں لفظوں کا استعمال با کفایت اور سادہ لیکن معانی سے پر ہے۔ تھوڑے لفظوں میں بڑی بات کہنے کا انداز ان کے اسلوب تحریر کی خاص ادا ہے۔ناول ''قید'' میں صاحبزادہ سلامت علی کی پرورش اس انداز سے کی گئی کہ وہ اپنے باپ کی بھاری گدی کو آنے والے وقت میں سنبھال سکے۔صاحبزادہ سلامت علی پیری مریدی کے اس نظام کو جدید خطوط پر استوار کرتا ہے۔اس لیے وہ سب سے پہلے سلسلہ کرامتیہ کا ایک الگ سے نشان پر توجہ دیتا ہے کہ سلسلہ کرامتیہ کا ایک الگ سے نشان ہو۔جس سے ہماری پہچان ہو۔مصنف نے نہایت ایجاز واختصار سے اس کی فکر اور لگن کو یوں بیان کیا ہے:

''کسی اور پر بھروسہ کرنے کی بجائے صاحب زادہ نے بذات خود رات بھر جاگ کر اس کا ڈیزائن تیار کیا تھا۔جو یوں تو سبز پس منظر میں چاند اور چند ستاروں پر مشتمل تھا۔مگر اس کی ترتیب ایسی تھی کہ نظر اس پر جم جاتی تھی۔''(۱۵)

عبداللہ حسین کے اسلوب کی یہ ایک نمایاں خصوصیت ہے کہ انھوں نے ایسے الفاظ کا استعمال کیا۔جو ایجاز واختصار کے معیار پر پورے اترتے دکھائی دیتے ہیں۔

ناول کی بنیاد کرداروں پر ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مصنف زندگی کے مختلف نشیب وفراز کو کردار ہی کے ذریعے نمایاں کرتا ہے۔ناول کا ہیرو یا ہیروئن اپنا کردار ادا کر کے دوسرے ضمنی کرداروں کو ساتھ لے کر چلتے ہیں۔مرکزی کردار ہو یا ضمنی کردار ہر کردار کی اپنی اہمیت ہوتی ہے۔ناول کے تمام کرداروں سے ناول کی تعمیر ہوتی ہے۔ہر کردار اپنے رویے، گفتگو اور جذبات سے ہمارے دلوں پر نقوش چھوڑ جاتے ہیں۔یہ کردار ہمیں اپنے اعمال وافکار کی بدولت کچھ نہ کچھ مثبت یا منفی سوچ دیتے ہیں۔کردار مصنف کے عمیق مشاہدات سے جنم لیتے ہیں۔یا پھر اس کے تخیلات کی پیداوار ہوتے ہیں۔

ناول نگار ان کرداروں میں اپنی ذاتی زندگی کے رنگ بھر کر رنگین اور دلکش بناتا ہے جب قارئین کو ناول میں حقیقی زندگی اور اس کے ارد گرد کا ماحول نظر آتا ہے تو اس سے واقعات کو سمجھنے میں مشکل پیش نہیں آتی بلکہ وہ ان کرداروں سے مانوس ہو جاتا ہے۔عبداللہ حسین نے نے اپنے ناول ''قید'' میں جو رنگ بھرا ہے وہ ان کے مشاہدات کا رنگ دکھائی دیتا ہے۔اسی لیے ناول ''قید'' کا ہر کردار کا پیرہن واضح دکھائی دیتا ہے۔ناول ''قید'' میں عبداللہ حسین کی کردار نگاری ان کی تخلیقی صلاحیتوں کو واضح کرتی ہے اور اس کے کرداروں میں انفرادیت دکھائی دیتی ہے۔فطرت کا تقاضا ہے کہ جس انداز سے مصنف نے ذہن میں زندگی کی ترجمانی اور زندگی کے واقعات کی عکاسی کا منصوبہ بنایا ہوتا ہے۔وہ اسی مناسبت سے کرداروں کا انتخاب کرتا ہے۔

عبداللہ حسین نے اپنے ناول ''قید'' میں کرداروں میں ایسی جان ڈال دی ہے کہ قارئین یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ یہ کردار واقع زندگی سے تعلق رکھتے ہیں یا وہ مصنف کے ذہن کی اختراع ہیں۔ناول ''قید'' کے کردار اپنے ماحول اور معاشرے کی نمائندگی کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔جس طرح کہ انسان میں نیکی اور بدی کی خصلتیں پائی جاتی ہیں۔اسی طرح عبداللہ حسین کے ناول ''قید'' میں کردار بھی نیکی اور بدی کی نمائندگی کرتے ہیں۔ان کے اسلوب کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ مثبت اور منفی دونوں رویوں کو پیش کرتے ہیں۔عبداللہ حسین کو معاشرے کا نباض کہا جائے تو درست ہو گا کیونکہ ان کی اپنے معاشرے پر گہری نظر تھی۔ انھوں نے اپنے معاشرے کے مسائل کو پہچان کر کرداروں کے ذریعے ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔

عبداللہ حسین کے ناول ''قید'' کے کرداروں کے مطالعہ سے انسانی سیرت کے اکثر روشن وتاریک پہلو ہمارے سامنے آجاتے ہیں۔ان کے کردار مخصوص معاشرتی ماحول کی عکاسی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ناول کے اجزائے ترکیبی میں سب سے اہم جز کردار ہے۔کرداروں کے بغیر کوئی بھی کہانی پیش نہیں کی جاسکتی۔ارسطو نے اپنی کتاب بوطیقا میں کرداروں کے رویے کے متعلق یوں لکھا ہے:

''کردار نگاری میں چار چیزوں پر نظر رکھنی چاہیے۔اولاً کردار کو نیک ہونا چاہیے۔نیکی ہر قسم کے لوگوں میں ہو سکتی ہے۔مثال کے طور پر عورت یا غلام بھی نیک ہو سکتے ہیں۔حالانکہ عورت ایک کمزور درجہ کی چیز ہے اور غلام عام طور پر کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔دوسرے یہ کہ کرداروں کی عکاسی موزوں اور موقع محل کے مطابق ہونی چاہیے۔مثال کے طور پر ایک کردار میں مردانہ خصوصیات ہو سکتی ہیں لیکن یہ مناسب نہیں ہے کہ ایک زنانہ کردار میں مردانگی یا ہوشیاری دکھائی جائے۔تیسرے یہ کہ کرداروں کو زندگی کے مطابق ہونا چاہیے چوتھے یہ کہ ان کو مربوط وہم آہنگ ہونا چاہیے۔''(۱۶)

ناول ''قید'' مختصر ہے لیکن اس میں بہت سے کرداروں سے تعارف حاصل کرنے کا موقع ملتا ہے۔مرد کرداروں میں سلامت علی، کرامت علی، احمد شاہ، فیروز شاہ اور تین مقتدی شامل ہیں جب کہ نسوانی کرداروں میں مائی سروری، رضیہ سلطانہ، نسرین، سلامت علی کی ماں شامل ہیں۔سب سے اہم کردار رضیہ سلطانہ کا ہے جو کہ کہانی میں تحریک کا بنیادی وسیلہ بن کر مرکزی کردار بن جاتا ہے۔اس کردار کے بارے میں ڈاکٹر رابعہ سرفراز لکھتی ہیں:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

''رضیہ سلطانہ ناول کا مرکزی نسوانی کردار ہے۔اس کے ذریعے مصنف نے زندگی کو ایک نئے زاویے سے دکھایا ہے۔اس کردار میں حیات و کائنات کا عرفان بھی نظر آتا ہے اور عام انسانی جذبات واحساسات کی عکاسی بھی موجود ہے۔اس کردار میں بہادری بھی ہے اور خود آگاہی بھی وہ اپنی ذات کو عام تصور نہیں کرتی۔''(۱۷)

رضیہ سلطانہ ایک تعلیم یافتہ استانی تھی۔وہ عورت کی اہمیت سے بخوبی واقف تھی۔اس وجہ سے معاشرے میں عورت پر ہونے والے ظلم و ستم کے خلاف اپنی آواز بلند کرتی دکھائی دیتی ہے۔رضیہ چاہتی تھی کہ عورت کو مرد کے برابر لایا جائے۔ناول ''قید'' میں رضیہ عورتوں کی احساس کمتری کے بارے میں یوں کہتی ہے:

''مردوں کے منہ پر بال نکلتے ہیں تو فخر سے دنیا کو دکھاتے ہیں۔ہمارے منہ پر ایک اگ آئے تو شرم سے سر جھکا لیتی ہیں۔خون جاری ہوتا ہے تو شرم سے جھک جاتی ہیں۔شادی کی رات گزرتی ہے تو شرم سے باہر نہیں نکلتیں۔اس سے بڑی غربت کیا ہوتی ہے۔''(۱۸)

عبداللہ حسین کے ناول ''قید'' میں رضیہ کا کردار ایک جاندار کردار ہے جو عورت پر بے جا پابندیوں کے خلاف ہے۔ناول میں مسجد کے سپیکر پر کسی کی اچانک موت پر دس بجے جنازے کا اعلان ہوتا ہے تو رضیہ سلطانہ کہتی ہے:

''آپ لوگ صفیں باندھ کر ایک جست خاکی کو خدا کے سپرد کرتے ہیں۔ہم جو جان کنی سے گزر کر زندگی کو پیدا کرتی ہیں، تماشائیوں کی طرح ایک طرف کو کھڑی ہوتی ہیں اور بین کرتی ہیں۔''(۱۹)

عبداللہ حسین نے اس وقت کے حالات کے تناظر میں رضیہ سلطانہ کے ذریعے عورت کے کردار کی خوب عکاسی کی ہے۔رضیہ کے منفی اور مثبت پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے۔رضیہ سلطانہ ایک ایسی عورت کا کردار ہے جو معاشرے کے ساتھ چلنا تو چاہتی ہے لیکن خود کو حالات کے سپرد نہیں کرتی۔ماں کی ممتا سے پاگل کر دیتی ہے۔وہ اپنے بچے کو سنگ سار کرتے دیکھ کر بے بس کھڑی رہی۔ناول نگار اپنے مدعا کے اظہار میں کامیاب ہے کہ اس بے بس اور مجبور عورت سے سفاک قاتل بننے کی اصل وجہ معاشرتی اقدار سے بغاوت تھی۔کیوں کہ وہ شادی کے بغیر ماں بن جاتی ہے۔ڈاکٹر رابعہ سرفراز لکھتی ہیں:

''ناول نگار نے یہاں عورت کی مجبوری اور اس کی ذلت کی ایسی عکاسی کی ہے جو اسے مادی اور دنیاوی چیزوں سے منسوب کرتی ہے۔عورت جب ماں اور بیوی ہونے کی حد کو پار کرتی ہے تو وہ بیک وقت اپنی نسوانیت اور انسانیت کو داؤ پر لگا دیتی ہے۔معاشرہ ایسی عورت کو قبول نہیں کرتا۔معاشرہ ایسی عورت کو قبول کرتا ہے جو جائز اولاد پیدا کرے۔ہمارے معاشرے میں ناجائز اولاد کو پالنے کا کوئی تصور نہیں ہے۔ہمارا مذہب بھی اس کی اجازت نہیں دیتا ایسی عورت کے لیے معاشرے میں حقارت کا عنصر موجود ہے اور آخر میں معاشرے سے رضیہ جیسی عورت کو شکست اور ذلت اٹھانی پڑتی ہے۔''(۲۰)

عبداللہ حسین کے ناول ''قید'' میں رضیہ شادی کے بغیر ماں بنتی ہے مصنف نے اس کردار کے ذریعے معاشرے کی ایک ایسی عورت کی ترجمانی کی ہے جو اپنی انا کو قائم رکھتی ہے۔تو دوسری طرف نام نہاد مذہب کے ٹھیکیداروں کی شدت پسند ذہنیت مُلا اور تین نمازیوں کی شکل میں واضح کی ہے۔مذہبی انتہا پسندی اور معاشرتی جبر ایک عورت کو سارے قیود توڑنے پر مجبور کر کے قاتل بنا دیتی ہے عاصم بٹ لکھتے ہیں:

''عبداللہ حسین کے یہاں عورت کی مظلومیت ہی اکثر ان کے نسوانی کرداروں کے حوالے سے نمایاں رہی۔یہاں بھی عورت مظلوم ہے لیکن اب اس نے خاموشی کی چادر چاک کر دی ہے۔وہ اپنے خلاف ہونے والے جبر کا بدلہ لینے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی ہے۔یہاں عورت ماں کے روپ میں سامنے آتی ہے۔انتقام کی آگ میں جلتی ہوئی وہ ہندوؤں کی کالی ماتا کا روپ دھار لیتی ہے۔''(۲۱)

کرامت علی ناول ''قید'' کا ایک جاذب نظر کردار ہے۔اس کردار کا ظاہری جلال و جمال اور علم و روحانیت دھوکہ ہیں لیکن یہ دھوکہ انتہائی عیاری اور فنکاری سے ہوتا ہے۔کرامت علی چوہدری برکت کے گھر پیدا ہوتا ہے۔ابتدائی تعلیم کے بعد کالج میں داخلہ لیتا ہے جہاں اس کی ملاقات مسجد کے امام کے بیٹے فیروز شاہ سے ہوتی ہے۔دونوں ہی رضیہ کے عاشق ہو جاتے ہیں۔رضیہ فیروز شاہ سے تعلقات استوار کرتی ہے جب کہ کرامت علی جیل میں نوکری کرنے جاتا ہے۔کرامت علی اپنے دوست فیروز شاہ کی خاطر رضیہ کو چھوڑ دیتا ہے۔کرامت علی جعلی پیر بن کر لوگوں سے مال بٹورتا ہے۔اللہ کی عبادت کرنے کے بجائے اپنے پھونکوں سے لوگوں کی مرادیں پوری کرنے لگتا ہے۔

مرد کرداروں میں دوسرا اہم کردار فیروز شاہ کا ہے۔ یہ بہت محب وطن تھا سیاست میں اس کی بہت دلچسپی تھی۔یہ کالج میں کرامت علی کے ساتھ پڑھتا تھا۔عبداللہ حسین اس کردار کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

''فیروز شاہ ایک پیش امام کا بیٹا تھا۔ اپنی معمولی حیثیت کے باوجود فیروز شاہ بھی کرامت علی کی مانند قدرتی اوصاف سے مالا مال تھا۔ سکول کے زمانے سے ہی ان دو بچوں کی آپس میں دوستی تھی اور ساتھ ہی رقابت کا اندازہ بھی تھا۔۔۔ فیروز شاہ کالج میں پہنچتے ہی طالب علمی سیاست میں کود پڑا۔ اس کے اندر لیڈر شپ کی قدرتی صفات موجود تھیں۔''(۲۲)

ناول ''قید'' میں فیروز شاہ اور رضیہ سلطانہ کے جنسی تعلقات اور رضیہ کے جرم سے کرامت علی کا کوئی تعلق نہ تھا لیکن سولی پر چڑھنے سے پہلے رضیہ کے خون اور رطوبت سے لتھڑے پلاسٹک کے گندے کھلونے کے کریہہ منظر سے اس کی مردانگی ختم ہو جاتی ہے اور کسی کام کا نہیں رہتا یہ کردار ناول میں عورتوں کے جسم پر ہاتھ پھیرتے دکھائی دیتا ہے۔ جعلی فقیری کی آڑ میں لوگوں سے پیسے بٹور کر اب سیاست کے ذریعے سلطنت میں جگہ بنانا چاہتا ہے۔ اس مقصد کے لیے اپنے بیٹے سلامت علی کا ذہن بناتا ہے۔ ناول ''قید'' میں کرامت علی شاہ کے بعد سلامت علی شاہ گدی نشین بنتا ہے۔ کرامت علی کے کردار کے بارے میں مسرت بانو لکھتی ہیں:

''کردار نگاری کے حوالے سے یہ ناول معمولی درجے کا حامل ہے۔ ناول کا مرکزی کردار کرامت علی جو نہایت پھسپھسا اور بے جان ہے۔ پورے قصے پر چھایا ہونے کے باوجود اس کی کوئی شخصیت نہیں بن پاتی۔ وہ حالات وواقعات کی زنجیروں میں جکڑا مصنف کی انگلی تھامے چلتا رہتا ہے۔ اس کی ذہنی ونفسیاتی کشمکش کی بھی کوئی واضح توضیح نہیں ہو سکی۔''(۲۳)

عبداللہ حسین کا نفسیات سے گہرا تعلق دکھائی دیتا ہے۔ انھوں نے نئے نظریات کی روشنی میں فرد کی داخلی زندگی، اس کے ذہنی عمل پر خصوصی توجہ دی اور اسے اپنے ناول ''قید'' میں پیش کیا۔ یہ رجحانات ہمیں فرائیڈ، زونگ اور ایڈلر کے نظریات سے ملے ہیں۔ جن کی بنیاد انسانی ذہن کے لاشعوری عمل پر ہے۔ فرائیڈ کے نظریے سے ادب میں کئی نئے رجحانات پیدا ہوئے ہیں۔ جن میں ایک شعور کی رو ہے۔

ولیم جیمس نے اصطلاح شعور کی رو کا پہلی بار استعمال کیا گیا لیکن ۱۹۱۸ء میں نفسیات اور فلسفہ کی اسکالر میری سنیکلر نے ڈارو تھی۔ رچرڈسن کے ناول پلگریمج پر تنقید کر کے اسے استعمال کیا۔ انگریزی میں جیمس جوائس نے اسے فرانسیسی ناول نگار ایڈورڈ دجاروین کے ایک ناول سے یا ڈکنس کے اثر سے اختیار کیا۔ اس کے بعد مارسل پرادست، ورجینا وولف اور ونڈھم لیوس نے اسے مقبول بنایا اور بعد میں اس اصطلاح نے ادب میں ایک باقاعدہ تکنیک کے طور پر اپنی شناخت کروائی۔

ولیم جیمس کے نظریے کے مطابق انسانی ذہن میں خیالات اور احساسات دریا کی شکل میں بہتے رہتے ہیں۔ ان کا بہاؤ نہیں رکتا۔ البتہ ذہنی کیفیات تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ اس لیے ان کے لیے داخلی زندگی کی رو، خیال کی مد دیا شعور کی رو کی اصطلاح استعمال کی۔ اس کے ذریعے ذہن کے منتشر وغیر مربوط افکار واحساسات کو پیش کیا جاتا ہے۔ ان میں کسی منطق یا استدلال کے اصول کے تحت ربط نہیں ہوتا بلکہ یہ ذہن کی مسلسل تبدیلی ہوتی کیفیات کے مطابق ہوتا ہے۔ یہاں بیانیہ انداز میں خیالات کو ایک خاص ترتیب سے پیش کیا جاتا ہے جب کہ شعور کی رو میں خیالات جس طرح ذہن میں آتے ہیں، اسی صورت میں بیان کر دیے جاتے ہیں۔

عبداللہ حسین اس داخلی کشمکش کو شعور کی رو کی تکنیک کے ذریعے پیش کرتا ہے اور شعور کے اس بہاؤ کو قابو میں رکھنے کے لیے آزاد تلازمہ خیال کے اصول کو عمل میں لا کر اس بہاؤ میں منطقی تسلسل پیدا کرتا ہے۔ عبداللہ حسین کے اسلوب کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ پلاٹ کی اہمیت ختم ہونے کے بعد آزاد تلازمہ خیال کے ذریعہ بظاہر بے ربط خیالات کو مربوط کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ذہنی فضا کی تصویر کشی مشکل کام ہے۔ جسے جوائس نے مکمل طور پر کامیابی سے پیش کیا ہے۔ اس نے ذہنی فضا اور شعور کو پیش کرنے کے لیے اوقاف اور اعراب تک ختم کر دیے۔ یہ تکنیک عصری حقائق اور اپنے عہد کے اجتماعی شعور کے اظہار کا بہترین ذریعہ ہے۔ اس میں ایجاز واختصار کی خوبی بھی موجود ہے۔ کم وقت میں فرد کی داخلی زندگی اس کے شعور، تحت الشعور اور لاشعور کی مکمل تصویر قاری کے سامنے آجاتی ہے۔ گو اس میں زمانہ کی کوئی قید نہیں لیکن اس کا وقت سے گہرا تعلق دکھائی دیتا ہے۔

ذہن کا اپنا الگ زماں و مکاں کا تصور ہوتا ہے۔ خارجی دنیا میں وقت ایک ہی رفتار سے گزرتا ہے۔ جب کہ داخلی دنیا میں اس کے برعکس ہوتا ہے۔ یعنی یہ ہمارے محسوسات ہوتے ہیں۔ جو کبھی وقت کی رفتار کو تیز اور کبھی آہستہ محسوس کرتے ہیں۔ کبھی چند لمحے صدیوں سے زیادہ محسوس ہوتے ہیں تو کبھی ایک برس بھی منٹوں میں گزر جاتا ہے۔ یہ وقت کی داخلی قسم کہلاتی ہے۔ وقت کی تمام صورتیں وہ نفسیاتی ہوں یا داخلی انسانی ذہن اسے محفوظ کرتا ہے اور شعور کی رو کی تکنیک میں پیش کی جاتی ہیں۔ عبداللہ حسین نے ناول ''قید'' میں شعور کے بہاؤ کو کئی طریقوں سے استعمال کیا ہے۔ جن میں شعور کے ایک مخصوص حصے کو بیان کیا جاتا ہے۔ ان میں داخلی تجزیہ اور حسیاتی تاثر بھی پایا جاتا ہے۔

عبداللہ حسین نے داخلی تجزیہ میں کردار کی ذہنی کیفیت اور اس کے تاثرات کا خلاصہ پیش کیا ہے عبداللہ حسین نے داخلی تجزیہ میں استعاروں کا بھی استعمال کیا ہے۔ حسیاتی تاثر میں مصنف خالص تاثرات اور عکسوں کو ریکارڈ کرتا ہے پھر شعور کے اس حصے کو پیش کرتا ہے جسے عام طور پر ترجیح نہیں دی جاتی اس حالت میں ذہن پر تیزی سے گزرتے ہوئے تاثرات کا اثر ہوتا ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

عبداللہ حسین کے اسلوب کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ انھوں نے شعور کی رو میں خود کلامی سے بھی کام لیا ہے۔یعنی شعور کی رو میں آنے والے کردار کا نام آتے ہی اس کا تفصیلی تعارف کرواتے ہیں۔عبداللہ حسین نے ناول ''قید'' میں ایک اور تکنیک مانتاج کا بھی استعمال کیا ہے۔اس میں سینما کا طریقہ استعمال کیا جاتا ہے۔اس طریقہ میں بیک وقت دو زمانے اور دو چیزیں دکھائی جاتی ہیں۔جیسا کہ سینما کے پردے پر ایک سین یا واقعے کے بعد دوسرے مختلف سین میں بالکل الگ واقعہ دکھایا جاتا ہے۔اسی طرح شعور کی رو کی تکنیک میں بھی حال اور ماضی دونوں کو ایک ہی وقت میں پیش کیا جاتا ہے۔

عبداللہ حسین نے اپنے ناول ''قید'' میں کرداروں کی ذہنی کیفیات کے ذریعے ان کی شخصیت کے تعمیری پہلوؤں کو نمایاں کیا۔مرزا اطہر بیگ نے اپنے ناول غلام باغ میں شعور کی رو کا استعمال کیا ہے۔قراۃ العین نے بھی اپنے کرداروں کی ذہنی کیفیات میں شعور کی رو کا خوب استعمال کیا ہے۔شعور کی رو کی تکنیک کے متعلق مختصر طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو کچھ پرانے طریقے سے بہت زیادہ پھیلاؤ کے بعد حاصل ہوتا تھا اس طریقے سے گہرائی پہنچ کر مل جاتا ہے اور ہمیں جو کچھ معلوم کرتا ہے اسے مکمل طور پر معلوم کرنے کے لیے وقت کا انتظار نہیں کرنا پڑتا۔وقت کی قید آرٹسٹ کے لیے سب سے بڑی قید ہے اور نفسیات نے اسے اس قید سے آزاد کر دیا ہے۔

عبداللہ حسین نے اپنے ناول ''قید'' میں کرداروں کے رویے میں ہنر مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مرکزی کرداروں کے علاوہ ضمنی کرداروں کو بھی جاذب نظر بنایا۔سلامت علی کی محبوبہ نسرین،مائی سروری،سائیں ناتگا،احمد شاہ اور تین نمازیوں کی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔سلامت علی کی محبوبہ نسرین دیہات میں رہنے والی لڑکیوں کی ترجمانی کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔نسرین تانگے پر سکول جاتی ہے اور سکول جاتے ہوئے تانگے پر ہی اس کی ملاقات سلامت علی سے ہوتی ہے۔نسرین ایک غیر ذمہ دار لڑکی ہے۔نسرین کے بارے میں ڈاکٹر رابعہ سرفراز لکھتی ہیں:

> ''نسرین اپنی محبت بھلا کر شادی کر لیتی ہے،اس کو نہ تو محبت چاہیے اور نہ ہی کسی قسم کا جسمانی تعلق،بلکہ یہ تو بس شوہر کے ساتھ زندگی بسر کرنا چاہتی ہے اور ایسا ہی کرتی ہے۔''(۲۴)

ضمنی کرداروں میں مائی سروری کا بھی ایک کردار دکھائی دیتا ہے۔مائی سروری ہر وقت چارپائی پر لیٹی رہتی ہے۔وہ زیادہ تر خاموش رہتی ہے۔گھر میں مائی سروری کو لڑکیاں نہلاتی ہیں تو وہ ان سے ناراض ہو جاتی ہے۔عبداللہ حسین مائی سروری کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

> ''صحن کے کونے میں دور جہاں نلکا تھا ایک چارپائی پڑی تھی۔جس کے اوپر ایک کبڑی میں سیاہ شبیہ نظر آ رہی تھی۔یہ مائی سروری تھی جو اپنی گدڑی کا خیمہ بنائے۔اس کے اندر بیٹھی تھی۔۔۔گرمی ہو یا سردی وہ گدڑی کے خیمہ کے نیچے دن رات بیٹھی رہتی تھی۔''(۲۵)

ناول کے آغاز میں مائی سروری کا ذکر ہوتا ہے۔اس کے بعد اس کی کوئی بات نہیں ہوتی لیکن ناول کے آخر میں مائی سروری میں کافی تبدیلیاں ہوتی ہیں۔عبداللہ حسین نے ان تبدیلیوں کو علامت کے طور پر ہمارے سامنے پیش کیا ہے:

> ''اس دن صبح سویرے مائی سروری نے اپنے لحاف کی گدڑی اپنے اوپر سے اتار پھینکی اور چلا چلا کر اصرار کرنے لگی کہ اسے نہلایا دھلایا جائے۔اس پر صاحبزادہ سلامت علی شاہ کی ماں بھی کہ جیسے کوئی نیند سے بیدار ہو جائے۔آ کر اس کے ساتھ شامل ہو گئیں۔پھر دونوں مل کر نہائیں نہانے کے بعد انھوں نے ایک دوسرے کو نئے کپڑے پہنائے،بالوں میں تیل ڈالا اور کنگھی کی۔۔۔اس دن سے مائی سروری نے اٹھ کر چلنا پھرنا شروع کر دیا تھا۔''(۲۶)

مائی سروری کا پھر سے جی اٹھنا اور اپنی تنہائی سے نکل کر عام لوگوں کی طرح زندگی بسر کرنا ایسے ہی تھا جیسے ایک بوٹے میں رس بھر آیا اور اس پر کونپلیں پھوٹنے لگتی ہیں۔ناول ''قید'' میں ضمنی کرداروں میں ایک کردار سائیں ناتگا کا ہے۔یہ مولوی احمد شاہ،فیروز شاہ کا باپ تھا۔رضیہ سلطانہ نے پھانسی سے پہلے اپنی آخری خواہش کا اظہار کیا کہ وہ مولوی احمد شاہ کے سامنے توبہ کرنا چاہتی ہے۔رضیہ سلطانہ کی اس خواہش کو مد نظر رکھتے ہوئے مولوی احمد شاہ کو رضیہ سلطانہ کے پاس لایا گیا۔

رضیہ سلطانہ نے ان تین قتلوں کے بارے میں احمد شاہ کو بتایا۔پھر خون اور رطوبت سے لتھڑا ہوا موٹا سا دھاگہ احمد شاہ کی داڑھی میں گھسا دیا۔اس کے بعد احمد شاہ پر دیوانگی کی سی کیفیت طاری ہو گئی اور وہ گاؤں چلا گیا۔کرامت علی جب پیر بنا تو احمد شاہ(سائیں ناتگا)اس کے حجرے کے احاطے میں رہنے لگتا ہے۔غلاظت میں رہتا اور لوگوں کو گالیاں نکالتا۔

ناول ''قید'' میں جس دن کرامت علی شاہ اس دنیا سے رخصت ہوا۔اسی دن ہی سائیں ناتگا بھی مر جاتا ہے۔الغرض عبداللہ حسین کرداروں کے رویوں میں ید طولیٰ تھے۔اپنے عمیق مشاہدے سے فطرت انسانی کے وسیع مطالعے کے بیان کے لیے ناول کے پیرائے میں کرداروں سے جو کام لیا ہے،ناول نگاری کی دنیا میں کسی کو بھی یہ اعزاز حاصل نہیں ہوا۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو عبداللہ حسین کے ناول ''قید'' میں مصنف کا انداز بیان معنویت سے لبریز ہے جس میں حقیقت اور رومان کے امتزاج کا حسین سنگم بنا دیا ہے۔ہر مصنف صاحب اسلوب نہیں ہوتا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک قسم کی بامعنی آوازوں سے بنائے گئے کلموں کی نشست و برخاست ،ان کی آپس میں مطابقتیں اور جوڑ توڑ ہر تخلیق کار اپنے انداز میں کرتا ہے۔یہی فنکاری اور الفاظ و تراکیب ایک مصنف کو دوسرے مصنف سے منفرد مقام دلاتی ہے۔اسی انفرادیت کو ان کا اسلوب تصور کیا جاتا ہے۔اسلوب صرف معروضی سطح پر الفاظ کی بندشوں کا نام ہی نہیں بلکہ معنوی اعتبار سے اسلوب موضوعی خوبیوں کا بھی مجموعہ ہے۔مصنف نے ناول ''قید'' میں ان تمام تر ذمہ داریوں کو بخوبی نبھایا ہے جو انفرادی اسلوب کے لیے لازمی ہیں۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

حوالہ جات

1۔ عبداللہ حسین:''قید''سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور،۲۰۱۵ء،ص۹

2۔ ایضاً،ص۵۹

3۔ ایضاً،ص۳۰

4۔ ایضاً،ص۱۲

5۔ ڈاکٹر خالد اشرف:''برصغیر میں اردو ناول''ماڈرن پبلی کیشنز،دہلی،۱۹۹۴،ص۱۰۴

6۔ ڈاکٹر افضال احمد بٹ:''اردو ناول میں سماجی شعور''پورب اکادمی،اسلام آباد،۲۰۱۵ء،ص۲۰۲

7۔ مسرت بانو:(مضمون)''عبداللہ حسین کے ناول قید کا تنقیدی جائزہ''مشمولہ''عبداللہ حسین ایک مطالعہ''(مرتبہ)ڈاکٹر سید عامر سہیل،بیکن ہاؤس بکس،لاہور،جنوری۲۰۱۶ء،ص۳۸۹

8۔ عبداللہ حسین:''قید''۲۰۰۸ءایضاً،ص۱۰۰

9۔ عبداللہ حسین:''قید''۱۹۸۹ء،ص۱۰۹

10۔ ایضاً،ص۴۹

11۔ عبداللہ حسین:''قید''۲۰۱۸ء،ص۱۱۰

12۔ عبداللہ حسین:''قید''۱۹۸۹ء،ص۱۰

13۔ ایضاً،ص۷۱

14۔ عبداللہ حسین:''قید''۲۰۱۵ء،ص۷۹

15۔ عبداللہ حسین:''قید''۱۹۸۹ء،ص۱۱۲

16۔ ڈاکٹر جمیل جالبی:''ارسطو سے ایلیٹ تک''۲۰۱۳ء،ص۱۴۷

17۔ ڈاکٹر رابعہ سرفراز:(مضمون)''عبداللہ حسین کے ناول قید کے نسائی کردار''مشمولہ''عبداللہ حسین ایک مطالعہ'' (مرتبہ) ڈاکٹر سید عامر سہیل،بیکن ہاؤس بکس،لاہور،جنوری۲۰۱۹ء،ص۲۵۱

18۔ عبداللہ حسین:''قید''۲۰۱۵ء،ص۱۰۱

19۔ ایضاً،ص۱۰۱

20۔ ڈاکٹر رابعہ سرفراز:(مضمون)''عبداللہ حسین کے ناول قید کے نسائی کردار''جنوری۲۰۱۶ء،ص۲۶۰

21۔ رضی عابدی:''تین ناول نگار''سانجھ پبلی کیشنز،لاہور،۲۰۱۰ء،ص۱۱۸

22۔ مسرت بانو:(مضمون)''عبداللہ حسین کے ناول قید کا تنقیدی تجزیہ''جنوری۲۰۱۶ء،ص۳۹۴

23۔ عبداللہ حسین:''قید''۲۰۱۵ء،ص۲۸

24۔ ڈاکٹر رابعہ سرفراز:(مضمون)''عبداللہ حسین کے ناول قید کے نسائی کردار''جنوری۲۰۱۶ء،ص۲۵۲

25۔ عبداللہ حسین:''قید''۲۰۱۵ء،ص۱۰

26۔ ایضاً،ص۱۵